

ایسی جنت جو ہم میں تبدیل ہو گئی

یہ اس قسمت کی ماری سرزمین کا قصہ ہے جسے ہمارے مشرق کے اہل ہوائی وہوس اور سادہ لوح انسان جنت اور منی تصور کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا نہ ہوتا

ان الله بالغ امره قل جعل الله لكل شئ قدراً۔

اللہ تعالیٰ اپنا کام جس طرح چاہے پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ اپنے علم میں مقرر کر رکھا ہے تو اس کی پیدا کی ہوئی زمین کبھی ایسی سستی و گزشتہ شہوت پرستی اور اخلاقی زوال کے دلدل کو اپنے لئے کبھی پسند نہ کرتی۔

وہ زمین امریکہ کی زمین ہے جس کا دوسرا نام بے پینی و اضطراب بے کلی و اکتاہٹ ہے جس کا شیوہ خود غریبی و انانیت، حرص و لالچ ہے جس کا شعار خود کشی اور خود فراموشی ہے جنوں ہے شراب نوشی کی کثرت اور جوئے کی گرم بازی ہے۔ وہ امریکہ جہاں صلہ رحمی، قربت داری اور خوبی رشتہ دار کا کوئی سوال نہیں جہاں انسانی جذبہ کا پاس و لحاظ نہیں۔ نہ وہاں سینوں میں پوشیدہ اس پاک و سادہ محبت کی کار فرمائی ہے جو درو کا درماں، دکھ کے لئے شکھ مشکلوں کے لئے آسانی، پریشانیوں کے لئے راست، غموں کے لئے سکون پیدا کرتی ہے۔ اور اپنے نرم و گدازہ ہاتھوں دنیا بدل دیتی ہے۔

وہ امریکہ جہاں ماؤں اور سن رسیدہ عورتوں کی کوئی عزت نہیں جہاں والد اور بوڑھے مردوں کی کوئی گنجائش نہیں جہاں فقر و مساکین کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو مال و دولت، طاقت و قوت کے سرچشمے سے خالی ہو چکے ہیں۔ اور امریکہ کے ان دونوں خود ساختہ خداؤں (مال و قوت) سے جدا ہو چکے ہیں۔

صرف یہ جسمانی و شہوانی قوت، قتل و غارت گری اور تہمتیں نہس کر دینے کی طاقت کو ہی سب سے بڑا خدا جانتے ہیں اور اسی کے سامنے ہر امر کی کاسر جھکتا ہے۔ اگرچہ وہ ادب و عظمت کے ساتھ مسیحیت کا دعوے دار ہی

کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی انسان فطری طور پر یا غیر فطری طور پر قوت و طاقت سے خالی ہو جائے تو وہ ایک امریکی کی نظر میں بے وقعت شخص ہے۔ اور وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اور اس کی حیثیت خاندان میں۔ سوسائٹی اور قوم میں ایک بوجھ ہو کر رہ جاتی ہے۔ جو کسی قریبی فرصت میں اس سے دست بردار ہو جانا چاہتے ہیں۔ حکومت اس کو اند کار رفتہ قرار دے دیتی ہے۔ قوم اس کو چھوڑ دیتی ہے۔ خاندان اس کے ساتھ توتش رونی اور قساوت قلبی سے پیش آتا ہے جتنی کہ اس کے بچے اور دل کے ٹکڑے بھی اس سے دب جاتے ہیں۔ اور اس کے خلاف بغاوت اور اس کے لئے موت کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات قتل ہی کر کے دم لیتے ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے یا فقیر و مسکین ہے یا اس وجہ سے کہ وہ کسی ایسے مرض میں گرفتار ہے جس نے اس کو کھانے پینے کا نہیں رکھا۔

یہاں تک کہ وہ مجاہدین وطن، سر و سر کی بازی لگانے والے جو وطن کی راہ میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر معذور ہو جاتے ہیں بیوی دبیٹے بھی انہیں برداشت نہیں کرتے۔ نہ خاندان والے ہی انہیں قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کی عیش پرستانہ زندگی میں حارج اور بغیر کسی محنت و کمائی کے ان کی زندگی میں شریک ہو رہے ہیں۔

اے منترق والو! امریکی زندگی ویسی نہیں ہے جیسا کہ ہم اپنے کمزور و ناتوان، مال و دولت کے اعتبار سے تھی دامن ملک میں بیٹھ کر تصور کر رہے ہیں۔ اس کا سعادت نفسی اور راحت قلبی سے دور کا واسطہ نہیں۔ اس کا اس نے ایک دن بھی مرا نہیں چکھا۔ امریکیوں نے اس کو جنت ارضی میں تبدیل کرنا چاہا وہ ان کے لئے بہنم زار بن گئی۔ انہوں نے مکمل آزادی اور پوری چھوٹ دینی چاہی۔ لیکن یہ غلامانہ زندگی اور قید خانہ میں تبدیل ہو گئی۔

امریکہ کا قصہ اپنے اندر مختلف پہلو رکھتا ہے، میں اس آزاد مشربی کی زندگی جو ہر قید و بند سے دور ہو کی مشکلات کا تفصیلی ذکر نہیں کروں گا۔ اور ان چلتے پھرتے جمادات و پرزے جنہیں آدمی کہا جاتا ہے۔ یا شفا خانے جو پاگلوں سے پیٹے پڑے ہیں۔ یا ناچ و گانوں کی غریباں محفلوں کا ذکر کرنا نہیں ہے اور ان کا ستاروں پر کندیں ڈالنے اور اسے قابو میں کرنے کا تذکرہ بھی مقصود نہیں۔ اور نہ یہ بتانا مقصود ہے کہ عورت کس طرح کھلونا بن کر رہ گئی ہے اور کس طرح وہ ہر پاکیزہ انسانی اقدار سے خالی و عاری ہو چکی ہے۔ میں تو صرف اس قدر بتانا چاہتا ہوں کہ سن رسیدہ عورتوں اور بوڑھے مردوں کی امریکی سوسائٹی میں کیا قدر و قیمت ہے اور وہ کس نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

امریکہ والوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ ایک قسم کا عذاب ہے کہ اس نے ان کے دلوں سے باپ بیٹوں اور بھائیوں، بیٹیوں، اور بیٹیوں اور ماں کی آپس کی محبت و تعلق کو نکال دیا ہے۔ اس ملک پر ایک طائرانہ نظر ہی سے بدن کانپ جاتا ہے۔ اس منظر کی ہولناکی، گراؤت و پستی جو امریکہ کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ اور اسے ورثہ میں ملی ہے سے آدمی سرا سیمہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت سوائے جلال خداوندی، قدرت الہی اور علم ربانی کے آگے خاموش کھڑے

رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔

ولنذيقنهم من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر لعلمهم يرجعون (سجده ۱۷)
اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے تاکہ یہ لوگ باز آئیں۔
امریکی سوسائٹی میں بوڑھے اور بوڑھیاں قدر و منزلت کے اعتبار سے ہر مخلوق سے زیادہ ذلیل و خوار ہیں۔
حتیٰ کہ کتے اور بلیوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اکرام اور ادب تو دور کی بات ہے۔ امریکی خاندان تو ایسے لوگوں کو سخت
عذاب تصور کرتا ہے۔ ان کو تو عام زندگی میں شریک کرنا اور روز کے لگے بندھے نظام میں بھی ان کی شرکت گوارا نہیں۔
امریکی لوگ جانوروں و خاص طور پر اپنے کتوں پر جو رویہ خرچ کرتے ہیں اس کا کچھ حصہ بھی ایسے بوڑھوں کی دیکھ بھال
اور ان کے ساتھ سلوک کے لئے کافی ہے۔ لیکن یہاں مال کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ مسئلہ اندرونی جذبہ کا ہے۔ دل کا ہے۔ وہ
دل پس کے راستوں کو فساد و نفع پرستی۔ خود غرضی اور مادہ پرستی نے بند کر دیے ہیں۔ جہاں سے پاکیزہ جذبات، مقصد
مقاصد، اخلاقی اقدار اور بلند خیالات راہ پاتے ہیں۔ وہ دل جس کی نشوونما کتے اور سور کی سوسائٹی اور معاشرہ میں ہوتی
جس کا خمیر انہیں کتوں کی محبت پر اٹھا ہے۔ اور پھر ان میں محبت و الفت کے ایسے گہرے رشتے قائم ہو گئے ہیں جو عقل سلیم
اور قیاس و گمان کی حدود کو پار کر گئے ہیں۔ وہ اپنے کتوں کے لئے بھاری بھاری رتوں کی وسیت کرتے ہیں۔ اور بوڑھوں
کو انہی کے گھروں میں چین کی زندگی نصیب نہیں۔ اور صرف اس گناہ کی پاداش میں کہ محنت و کمائی سے وہ مجبور اور صحت
و جوانی کھو چکے ہیں اور اپنے (باعزت و شرف) صاحب زادوں کے دست نگر ہو گئے ہیں۔ یہ اس گہری ہونی پست سوسائٹی
کا ایسا شرمناک اور تاریک پہلو ہے جس پر ہمارا مشرق بیچھا ہوا ہے۔ اور اسے آزاد سوسائٹی اور ترقی یافتہ ملک کے
انقلاب سے یاد کرتا ہے۔ اور پھر اسے دیکھنے کی تمنا اور دہاں کی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کی آرزو اگرچہ عمر میں ایک
ہی مرتبہ نصیب ہو جائے ان کے اندر انگڑائی لیتی رہتی ہے۔

اس سلسلہ میں مشہور و معروف اخبار لائف کی شہادت کافی ہے جو حقیقت حال سے نقاب کشائی کرتے ہوئے
شن رسیدہ لوگوں کے لئے بڑا پے کی مشکل کے عنوان سے یوں تحریر کرتا ہے۔ اس وقت امریکہ ایک ایسی نازک اور
پیچیدہ مشکل میں گرفتار ہے جس کا حل ناممکن نظر آتا ہے۔ اور وہ سن رسیدہ مردوں و عورتوں کی مشکل ہے۔ اس لئے کہ ان
کی تعداد ۱۲ ملین تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں بیشتر ۶۵ سال کے قریب ہیں۔ اور انہیں حق رائے و ہندگی بھی حاصل ہے
ان میں سے بعض حضرات نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ انہیں طبی سہولتیں حکومت مفت مہیا کرے۔ لیکن ڈاکٹر بورڈ نے
اس تجویز کی سخت مخالفت کی ہے۔ اس طرح اس پریشانی کا مشکار انگلینڈ۔ سوڈن۔ ڈنمارک جرمن اور جاپان بھی
ہیں۔ اس مشکل و پریشانی کا تمام Oldage Problem اور اس کے تدارک کی مختلف
تدابیر کی جارہی ہیں ان میں سے ایک Nursing Homes کا قیام بھی ہے۔

اخبار نے بعض ایسے فوٹو بھی شائع کئے ہیں جن سے حالات کی ابتری اور سنگینی کا پتہ چلتا ہے۔ اس نے Mental Institutions کی ایک تصویر شائع کی ہے۔ جس میں چند اونگھائی ہوئی مرینہ عورتیں غم و افسوس کے عالم میں اپنے گھٹنوں پر سر ڈالتے۔ کاندھوں پر بال بکھڑے بیٹھی ہیں۔ اور ان کے قریب پرند عورتیں ہیں جو اپنی روزانہ کی ریاضی مشقیں کر رہی ہیں۔ ایک بڑھیا کی بھی تصویر ہے جو بستر پر پڑی، نضائیں گم سم اور کھوئی ہوئی ہے۔ اور اس کے پاس کوئی غم خوار نہیں۔

ایک دوسری عورت کی تصویر جو تقریباً ستر سال کے قریب ہوگی، شائع کی ہے۔ وہ تنہائی کی وحشت اور عزت گزینی کی ہولناکی کی تاب نہ لا کر توازن عقلی اٹھو بیٹھی ہے۔ اس کے پہلو میں ایک ماہر نفسیات بیٹھا اس عورت سے اسی سلسلہ میں سوالات کر رہا ہے۔

ایک تیسری تصویر Oldage Homes (بوڑھوں کی اقامت گاہیں) کی ہے جس میں چند بوڑھے مختلف کاموں میں مشغول ہیں۔ یا صحیح نفلوں میں وہ اپنی موت کے منتظر ہیں۔ وہ حسرت و یاس کے مارے غم و اندوہ میں ڈوبے، درد و کرب سے بے چین ہو کر مختلف کاموں میں لگے ہیں اور اس طرح وہ اپنے غم غلط کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

یہ اس انسانی گندگی اور بشری آلودگی کے دلدل و کیچر کی صحیح اور زندہ تصویر ہے۔ جہاں صرف سکھ چلتا ہے گھٹیا جذبات کا۔ جہاں فرماں روائی ہے صرف خواہشات نفسانی کی، جہاں بولی سمجھی جاتی ہے صرف نہایت پست جذبات اور جسد فانی کی۔

کیا یہی تہذیب و ثقافت ہے؟ کیا یہی عام معرفت ہے؟ کیا یہ وہی انوکھی فطرت ہے۔ جس تک ہماری صافی نہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو آخرت میں ہونے والے عذاب کا پیش خیمہ ہے، دنیاوی عذاب ہے یہ تو قرآن کی اس آیت کی تفسیر ہے۔

نسوا اللہ فانساھم انفسھم (حشر ۱۹)

انہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنا دیا۔ یہ اکتاہٹ اور کبیدہ خاطری ہے، گھٹن اور بے راہ روی ہے۔ جس کا نام ہم نے اپنے مشرق میں، حریت پسندی آزاد ملک، آزاد معاشرہ، طبیعت و فطرت اور فن رکھ لیا ہے۔

یہ ناامیدی کے کڑوے گھونٹ، حد سے زیادہ فارغ البالی، انتہا سے زیادہ بے راہ روی، اور انارکی، آخری درجہ کی گراؤٹ و گمراہی، اسی کو ہم نے یہاں وجودیت، انقلاب اور ترقی کا نام دے دیا ہے اور نہ جانے ان جیسے

ناموں اور نعروں کی کتنی طویل فہرست ہے جو امریکہ و فرانس سے منسلک ہیں جن پر ہمارے نوجوان اوبار۔ اس طرح پچھا اور ہو رہے ہیں۔ اور ان کا ایسا دم بھر رہے ہیں کہ جیسے وہ وحی خداوندی یا خوان آسمانی ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے باغی و سرکش بندوں کو صرف قلع قمع کر دینے والی آندھریوں، تہس نہس کر دینے والے طوفانوں ہی سے نہیں ہلاک کرتا بلکہ بسا اوقات ان کی آسائش و سامان راحت اور بیوی بچوں کو ان کے لئے درد سہرا اور عذاب جان بنا دیتا ہے۔ اور مال و دولت، رے کر بھی شقاوت و بد بختی لکھ دیتا ہے۔

سنستدرجہم من حیث لا یعلمون واملی لہم ان کیدی متینہ (قلم ۴۲، ۴۵)
ہم ان کو بتدریج جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور دنیا میں عذاب نازل کر دینے سے ان کو مہلت دیتا ہوں، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

ذرا اس تابناک روشن پہلو پر بھی نظر ڈالتے جائیے جس پر مثالی اسلامی معاشرہ قائم ہے۔

وقضی دیک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً ما یبلغن عندک البکر
احدهما او کلاهما فلا تقل لہما ان ولا تنہرہما وقل لہما قولاً کریماً واخفین
لہما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمہما کما ربی فی صغیراً۔ دیکم اعلم

بما فی نفوسکم ان تکنونوا صالحین ، فامنه کان للا و ابین غفوراً (بنی اسرائیل ۲۳ تا ۲۵)

اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور تم اپنے مال باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔ اگر سر پر اس میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی ات بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا، اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔ اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور بیوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا انہوں نے مجھے پالا، پرورش کیا ہے۔ تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی غلط معاف کر دیتا ہے :

بقیہ تبصرہ کتب از ۶۳

میں مصروف کار ہیں۔ چھوٹے بچوں کو ایک بامقصد مجوزہ اور معین نصاب میں چلانے کا خوب تجربہ رکھتے ہیں جس کی ایک جھلک ان کی زیر تبصرہ کتاب ”آسان مدنی نماز“ ہے۔ جو بچوں کے ذہن کو سامنے رکھ کر سادہ اور آسان ترین اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ مصنف کا اس میدان میں یہ پہلا قدم ہے۔ اور نقش اول ہے جو ہر لحاظ سے حوصلہ افزائی کا مستحق ہے۔ دارالعلوم کو ان سے اس سے بڑھ کر توقعات وابستہ ہیں۔

(عبد القیوم حقانی)